محمد کاظم کی خاکہ نگاری کے چند شخصی نقوش

Some personal impressions of Muhammad Kazim's sketch

ڈاکٹر سائرہ ارشاد

لیکچرر، شعبہ اُردو، گورنمنٹ صادق کالج ویمن یونیورسٹی، بہاول پور

ڈاکٹر بادشاہ ملک

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو یونیورسٹی آف مالاکنڈ

ڈاکٹر عابد علی

اسسٹنٹ پروفیسر ہزارہ یونیورسٹی، مانسہرہ

Abstract

Sketching is called the ghazal of prose. It is only through skill in this art that the charm of personality can be expressed. Muhammad Kazim was born on August 4, in a Syed family in Ahmadpur Sharqiya Tehsil of the former state of Bahawalpur. Muhammad Kazim started his career as a Sub-Divisional Officer (SDO) in Bahawalpur after showing the essence of his ability in the field of education. A collection of sketches and selected essays by Muhammad Kazim entitled "Memories and Talks" was included. They outline in a particular order. Muhammad Kazim specializes in sketching. He describes the situation in a very simple and easy way. These sketches are very attractive and full of charm. Undoubtedly, Muhammad Kazim's sketches can be considered as an invaluable treasure for Urdu literature.

Keywords: Devotion, mental companionship, sincerity, conversational style, personal experiences, valor

تلخیص: خاکہ نگاری کو نثر کی غزل کہا جاتا ہے۔ اس فن میں ہنر مندی کی بدولت ہی شخصیت کی دل آویزی بیان کی جا سکتی ہے۔ محمد کاظم سابق ریاست بہاول پور کی تحصیل احمد پور شرقیہ کے ایک سید گھرانے میں ۱۴/ اگست ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ محمد کاظم نے تعلیمی میدان میں اپنی قابلیت کے نمایاں جوہر دکھانے کے بعد بہاول پور میں سب ڈویژنل آفیسر (ایس ڈی او) کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ محمد کاظم کا "یادیں اور باتیں" کے عنوان سے خاکے اور منتخب مضامین کا مجموعہ شامل ہوا۔ وہ ایک خاص ترتیب سے خاکہ بیان کرتے ہیں۔ محمد کاظم خاکہ نگاری میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ نہایت آسان فہم اور سادہ جملوں کے ذریعے نہایت عمدہ صورتِ حال بیان کرتے ہیں۔ یہ خاکے نہایت دل کش اور جاذبیت سے بھرپور ہیں۔ بلاشبہ محمد کاظم کے خاکے اُردو ادب کے لیے بیش بہا خزانہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔

کلیدی الفاظ: عقیدت، ذہنی رفاقت، بے تکلفی، مکالماتی انداز، ذاتی تجربات، والہانہ پن

نثری ادب میں خاکہ نگاری ایسی صنف قرار دی جاتی ہے جو کسی شخص کی داخلی و خارجی تصویر پیش کرتے ہوئے اس کا مکمل تعارف بن جائے۔ اُردو ادب میں یہ صنف انگریزی ادب سے وجود میں آئی۔ یہ انگریزی لفظ Sketch یا Pen Portrait کے متبادل ہے۔ اس میں شخصی خد و خال اور ذات میں موجود نمایاں پہلوؤں کو اُجاگر کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے ابو الاعجاز فاروقی لکھتے ہیں:

”ادب کی جس صنف کے لیے انگریزی میں سکیچ یا پن پورٹریٹ (Pen Portrait) کا لفظ استعمال ہوتا ہے اُردو میں اسے خاکہ کہتے ہیں۔“[۱]

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کی ابتدائی شکل قدیم تذکروں میں ملتی ہے۔ ان تذکروں میں شخصی معلومات کے حوالے سے مختصر سوانح، نمونۂ کلام اور کلام کی خوبیاں و خامیاں شامل ہوئی تھیں۔ ڈاکٹر بشیر سیفی اس حوالے سے بیان کرتے ہیں:

”خاکہ پورٹریٹ کا نہیں سکیچ کا درجہ رکھتا ہے۔“[۲]

اُردو ادب میں خاکہ ایسی صنف ہے جس کے اجزاء تذکروں کے علاوہ داستانوں اور ناولوں میں بھی ملتے ہیں جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس نے سوانح نگاری کے بطن سے جنم لیا ہے۔ سوانح نگاری میں کسی بھی شخصیت کی پیدائش سے وفات تک کے تمام حالات و واقعات کو مستند حیثیت سے شامل کیا جاتا ہے جب کہ خاکہ اختصار پر مبنی ہوتا ہے۔ ڈاکٹر سلیم اختر اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

”خاکہ پنسل سکیچ ہے جس میں کم سے کم لائنوں سے چہرے کا تاثر واضح کیا جاتا ہے۔“[۳]

خاکہ نگاری کو نثر کی غزل کہا جاتا ہے۔ غزل میں مختصر انداز سے اشاروں، کنایوں اور علامتوں کے ذریعے اظہارِ خیال کیا جاتا ہے جب کہ معانی و مفاہیم میں بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح خاکے میں بھی اختصار کے اندر بے پناہ وسعت کو ملحوظِ خاطر رکھا جاتا ہے۔ خاکہ نگار شخصیت کی مختلف کیفیتوں کے علاوہ اس کی ذات میں چھپے ہوئے اسرار کا بھی سراغ لگاتا ہے اس لیے ایسی شخصیت کا انتخاب ضروری ہے جس میں دوستی، عقیدت، ذہنی رفاقت، بے تکلفی اور ذاتی تجربات شامل ہوں۔ اس حوالے سے محمد طفیل لکھتے ہیں:

”شخصیت سے آگاہی صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ کوئی دبے پاؤں چھپی ہوئے شخصیت میں اُتر جائے۔“[۴]

انسان خیر و شر کا مرقع ہے۔ اس میں خوبیوں کے ساتھ ساتھ خامیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ خاکہ نگار بغیر کسی تعصب کے غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے حقیقی پہلوؤں کو مدنظر رکھے ورنہ خاکہ خوبیوں کی بدولت مدحیہ مضمون بن جائے گا اور خامیوں کے اظہار سے دشنام طرازی کی حدود میں داخل ہو جائے گا۔ اس فن میں ہنرمندی کی بدولت ہی شخصیت کی دل آویزی بیان کی جاسکتی ہے۔ یہ پہلو انتہائی نازک قرار دیا جاسکتا ہے کہ خاکہ نگار فطرت کو آشکار کرے۔ بعض اوقات تاثراتی یا تعارفی مضمون کو خاکہ سمجھ لیا جاتا ہے جب کہ ان میں ذاتی تاثرات اور عقیدت و محبت کا اظہار شامل ہوتا ہے۔ خاکہ نگار کے لیے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے نشیب و فراز سے واقفیت رکھتا ہو جب کہ اس میں عمیق مشاہدہ بھی پایا جاتا ہو۔ ایک عمدہ خاکہ مزاح کے پہلوؤں کو بھی مدنظر رکھتا ہے۔ ڈاکٹر نثار احمد فاروقی کے بقول:۔

”خاکے میں لطیف مزاح اور نکتہ آفرینی ضروری ہے۔“[۵]

حلیہ نگاری خاکے کا اہم وصف شمار کیا جاتا ہے۔ اس حوالے سے بعض خاکہ نگار خصوصی توجہ دیتے ہیں جب کہ بعض ظاہری شخصیت کی بجائے باطنی کردار اُجاگر کرتے ہیں۔

خاکے کے لیے مخصوص اسلوب متعین نہیں کیا جاسکتا تاہم اس میں خاکہ نگاروں کا اندازِ بیاں انفرادیت پیدا کرتا ہے۔ طنز و مزاح سے بھرپور ہلکے پھلکے انداز میں بھی خاکے لکھے گئے ہیں جب کہ سنجیدہ نوعیت کے خاکوں کی بھی اپنی جگہ الگ پہچان ہے۔ وفات کے بعد لکھے گئے خاکوں میں تعزیت کا اظہار شامل ہوتا ہے چناں چہ کہا جاسکتا ہے کہ خاکہ ایسا تخلیقی مضمون ہے جس سے فرد کی شخصیت کے اہم پہلوؤں کو مختصر انداز میں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ شخصیت کا بھرپور عکس نظر آئے۔ ذہنی و فکری اور نفسیاتی رجحانات اس شخصیت کی مکمل تصویر کشی کرتے ہیں۔

اسے خاکہ نگاری کی تاریخ میں سنگِ میل کی حیثیت حاصل ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر صدیق جاوید لکھتے ہیں:

”اُردو خاکہ نگاری کی تاریخ میں جنوری ۱۹۵۵ء کا مہینہ ناقابل فراموش ہے کہ اس میں ”نقوش“ کا شخصیات نمبر شائع ہوا۔“[۶]

اُردو ادب میں خاکہ نگاری کی تاریخ اگرچہ مختصر ہے تاہم اس صنف کا جائزہ لیں تو علمی، ادبی، معلوماتی اور فنی لحاظ سے یہ صنف خاصی جان دار ہے اور اپنے ارتقائی سفر کی جانب تیزی سے رواں دواں ہے۔ خطۂ بہاول پور میں خاکہ نگاری کی صنف میں بے پناہ وسعت پائی جاتی ہے۔ اس حوالے سے محمد خالد اختر، محمد کاظم، مسعود

حسن شہاب دہلوی، سیّد انیس شاہ جیلانی، پروفیسر عطاء اللہ اعوان، طاہر محمود کوریجہ، حیدر قریشی، مشہود حسن رضوی، علی معین اور قدرت اللہ شہزاد نے فن خاکہ نگاری میں منفرد اندازِ تحریر سے اس خطے کی جان دار روایت کو آگے بڑھایا ہے۔ اس حوالے سے تفصیل فراہم کی جاتی ہیں۔

محمد کاظم سابق ریاست بہاول پور کی تحصیل احمد پور شرقیہ کے ایک سید گھرانے میں ۱۴ / اگست ۱۹۲۶ء کو پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام محمود شاہ تھا۔ اس خاندان کے بزرگ امامت کے فرائض سرانجام دیتے تھے اس لیے انہیں قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ محمد کاظم اپنے والد کی طرح مذہب کے علاوہ علم وادب سے بھی خصوصی لگاؤ تھا۔ محمد کاظم کے والدین نے احمد پور شرقیہ میں مستقل سکونت اختیار کی۔۔ وہ جب دو سال کے ہوئے تو والد گرامی کا انتقال ہو گیا۔ ان کے نانا سید ذوالفقار شاہ نے کفالت کا ذمہ لیا۔ والدہ محترمہ نے دونوں بیٹوں کی تعلیم و تربیت پر خصوصی توجہ دی۔ محمد کاظم شاہ نے اپنی تعلیم کا آغاز احمد پور شرقیہ سے کیا۔ جب وہ ۲۳ برس کے تھے تو والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔ محمد کاظم بچپن سے ہی کھیل کود اور تعلیم میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ چار سال کی عمر میں ناظرہ قرآن کی تعلیم کا آغاز ہوا تو عربی زبان سے محبت پیدا ہوئی۔

محمد کاظم نے مڈل کا امتحان بہاول پور بورڈ سے پاس کیا اور پہلی پوزیشن حاصل کی جب کہ میٹرک میں بورڈ کی تیسری پوزیشن کے ساتھ نمایاں رہے۔ صادق ایجرٹن کالج بہاول پور سے سیکنڈ ڈویژن میں ایف ایس سی کا امتحان پاس کیا اور پھر انجینئرنگ کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے علی گڑھ چلے گئے۔ اس ادارے میں انھوں نے تعلیم کے علاوہ زیادہ وقت لائبریری میں گزارا۔ محمد کاظم نے ۱۹۴۴ء سے اگست ۱۹۴۷ء کے دورانیے میں عربی زبان میں مہارت حاصل کی۔ محمد کاظم بطور اردو تبصرہ نگار یہیں پر جماعت اسلامی سے منسلک ہوئے اور پھر انہیں مولانا مودودی کی اردو کتب کا عربی میں ترجمہ کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ انجینئرنگ میں انھوں نے اول پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۴۷ میں اریگیشن ورکشاپ مغل پورہ لاہور میں بطور ادور سیئر ملازمت کا آغاز کیا۔ ۱۹۴۸ میں اپنے مضمون میں اعلی تعلیم حاصل کی اور ۱۹۴۹ء میں بہاول پور میں سب ڈویژنل آفیسر (ایس ڈی او) کی حیثیت سے ملازمت کا آغاز کیا۔ محمد کاظم پاکستان کے بانی و بجلی کے ترقیاتی ادارے سے بحیثیت چیف انجینئر ریٹائر ہوئے۔ محمد کاظم کے چھوٹے ماموں بریگیڈیر قاسم گیلانی کی دو ہی بیٹیاں تھیں۔ بڑی بیٹی کی شادی محمد کاظم کے بڑے بھائی محمد ہاشم شاہ سے اور چھوٹی بیٹی حفصہ تنویر سے محمد کاظم کی شادی ان کی پسند سے ہوئی۔ اللہ تعالی نے انھیں تین بیٹیوں اور ایک بیٹی سے نوازا۔

محمد کاظم ملازمت کے سلسلے میں مختلف شہروں میں قیام کرتے رہے۔ بہاول نگر میں قیام کے دوران انھوں نے عربی ترجمے پر بہت کام کیا۔ یہ دور ان کے عربی ادب میں عروج کا دور تھا۔ محمد کاظم عربی زبان سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ اسی دور میں انھوں نے مولانا مودودی کی دو کتابوں کے بہترین تراجم کیے۔ جن میں پردہ اور فضیلت شامل ہیں ۔ مولانا سیّد مسعود عالم ندوی نے ان کی عربی زبان کو مستند قرار دیا۔ علی گڑھ قیام کے دوران ہی محمد کاظم پٹھان کوٹ کی ایک اسلامی تحریک سے وابستہ ہو گئے، چھوٹی سی عمر میں ایک بیٹی اور بیٹا وفات پا گئے ا اور جماعت اسلامی کے احباب نے اس صدمے پر کوئی دلاسہ نہیں دیا تو محمد کاظم نے جماعتِ اسلامی سے علیحدگی اختیار کر لی۔

دورانِ ملازمت انھوں نے ایم اے عربی کا امتحان دیا جس میں فرسٹ دویژن حاصل کی۔ ۱۹۹۳ میں رسالہ “فنون” جاری ہوا تو ان کے مضامین شائع ہونے لگے۔ یہیں سے ان کے حلقہ احباب میں اضافہ ہوا۔ ان کے قریبی دوستوں میں محمد خالد اختر، احمد ندیم قاسمی، علی عباس جلال پوری، اختر حسین جعفری، رشید ملک، امجد اسلام امجد، عطالحق قاسی، خالد احمد، نجیب احمد اور گلزار وفا چودھری تھے۔ ۱۹۴۷ء میں ان کی پہلی تحریر مولانا چراغ حسن حسرت کے روزنامہ امروز کے ادارتی صفحے پر اردو زبان کے رسم الخط کا مسئلہ کے نام سے شائع کی گئی۔ محمد کاظم کی کتابوں کو عالمی سطح پر خوب پذیرائی ملی۔ محمد کاظم کی مختلف اصنافِ سخن جیسے افسانہ، ناول، شاعری، تاریخ، تحقیق اور تنقید پر گہری نظر تھی۔ محمد کاظم ۸ / اپریل ۲۰۱۴ء کو د لاہور میں اِرفانی سے کوچ کر گئے۔ محمد کاظم کی اہم تصانیف میں “اخوان الصفاء”، “عربی سیکھیے”، “مضامین”، “عربی ادب کی تاریخ”، “مغربی جرمنی میں ایک برس”، اسلام “جنید بغداد”، “دامن کوہ میں ایک موسم”، “یادیں اور باتیں” اور “کل کی بات” شامل ہیں۔

محمد کاظم کا “یادیں اور باتیں” کے عنوان سے خاکے اور منتخب مضامین کا مجموعہ شامل ہوا۔ اس مجموعے میں شامل پہلا خاکہ “ماڈرن قلندر” کے عنوان سے ۱۹۶۶ء کو رسالہ “فنون” میں چھپا جب کہ ان کی کتاب “باتیں اور یادیں” کے منتخب خاکوں میں بھی اسے شامل کیا گیا ہے۔ محمد کاظم کے انداز میں افسانوی رنگ نمایاں ہے۔ نہایت خوب صورت منظر کشی کے ذریعے خاکے کا آغاز کیا گیا ہے۔ یہ خاکہ مختار احمد مفتی کے بارے میں ہے جن کا تعلق بہاول پور سے تھا۔ مختار احمد مفتی درجہ اوّل

مجسٹریٹ تھے جب کہ ان کے مزاج میں شگفتگی کا عنصر نمایاں تھا۔ محمد کاظم اپنے دوست کے بارے میں ماضی کی یادیں بیان کرتے ہیں۔ مختار احمد مفتی کی خواہش تھی کہ وہ محمد کاظم کے ہمراہ سیاحت پر نکلیں جب کہ دنیاوی معاملات میں مصروفیات کی بناء پر ایسا نہ ہو سکا۔ محمد کاظم عارضی زندگی میں انسان کی نا آسودہ خواہشات کا تذکرہ کرتے ہیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت بھی ہے کہ بہت سے لوگ اپنی خواہشات کے ارمان سجائے دنیا سے ہی دامن چلے جاتے ہیں۔ اپنے دوست کے بارے میں محمد کاظم کا اندازِ بیاں نہایت منفرد ہے۔:

"وہ ایک ایسی انسانی روح تھی جو مادی زندگی کی بیڑیوں سے آزاد ہو کر کائنات کی بے کراں وسعتوں میں آوارہ پھرنے کے لیے بے قرار رہتی تھی۔ اس نے اپنی مسرتوں کی ایک خیالی دنیا بنا رکھی تھی۔"[۷]

محمد کاظم ایک دلچسپ صورتِ حال بیان کرتے ہیں کہ مختار احمد مفتی، مولانا ابوالکلام آزاد کی "غبارِ خاطر" میں بیان کی جانے والی چینی چائے "وائٹ جیسمین" کی طرز پر نہ صرف کافی کا نازک اور مہنگا سیٹ خریدا بلکہ اپنے دوستوں کو اس میں چائے پلا کر نہایت مسرور دکھائی دیتے۔

مختار احمد صدیقی تنہائی میں گھبراہٹ کا شکار ہو جاتے اور ایسے لمحات ہمیشہ محمد کاظم سے بیان کر کے اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرتے ہیں تاہم مختلف کلبوں کی ممبر شپ کے ذریعے خود کو مصروف رکھنے کی بھی کوشش کی جاتی۔ دورانِ تعلیم مختلف حالات وواقعات کو اس خاکے میں نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ صادق ایجرٹن کالج بہاول پور میں فٹ بال ٹیم کی سلیکشن کا موقع آیا تو محمد کاظم اور ان کے دوست مختار احمد صدیقی طالب علموں کی قطار میں خوش قامتی کی بناء پر سب سے آخر میں ٹھہرے اور انھیں یہ گمان ہوا کہ وہ منتخب کر لیے جائیں گے تاہم ڈی۔ پی۔ ای نے سب سے پہلے ان دو طالب علموں کو پکار کر کہا کہ وہ فٹ بال کی بجائے کسی اور کھیل کے لیے کوشش کریں اور یہاں سے چلے جائیں۔ اس وقت بظاہر پر اعتماد نظر آنے والے دوستوں کو خفت محسوس ہوئی اور بعد میں دونوں کی دوستی میں قربت پیدا ہوئی۔ کالج کا عرصہ گزارنے کے سولہ برس بعد محمد کاظم، مختار احمد صدیقی سے ملاقات کرتے ہیں تو اس کی جسمانی تبدیلی پر حیران رہ جاتے ہیں۔ محمد کاظم اس خاکے میں نہایت عمدہ انداز میں حلیہ نگاری کرتے ہیں:

"کالج کے زمانے کا مختار ایک ناٹے قد کا گول مول قصبائی وضع کا لڑکا تھا۔ شلوار قمیض پہنتا اور اپنے گول سر اور خشخشے بالوں کے ساتھ یوں لگتا جیسے مسجد میں پڑھتے پڑھتے کالج میں چلا آیا ہو۔"[۸]

مختار احمد صدیقی کا بہاول نگر میں تبادلہ ہوا تو وہ محمد کاظم کی سرکاری رہائش گاہ سے چند فرلانگ کی دوری پر رہائش پذیر ہوئے۔ دونوں کے مابین میل جول گہرا ہو تا گیا۔ مختار احمد صدیقی نہایت ہنس مکھ جب کہ اپنے مزاج کی بدولت ان کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ محمد کاظم مکتوبات شامل کر کے مختار احمد صدیقی کے طرزِ تحریر اور علامت کے بارے میں آگاہ کرتے ہیں جب کہ مختلف طرح کے دعوتی خطوط میں محمد کاظم کو نت نئے القابات سے نوازا جاتا۔ مثال کے طور پر:

"Mr. Kazim Syed SDO wires, Poles, Tools, Ruston Engines, and repair of electronics in the space, Bahawalpur."[9]

دو دوستوں کی زمانۂ طالب علمی سے گہری دوستی کا سفر اگرچہ کچھ عرصے کے لیے بظاہر ختم ہو گیا لیکن اپنے اہداف کو حاصل کرنے کے بعد جب دوبارہ رابطہ ہوا تو فاصلہ لمحوں میں سمٹ گیا۔ محمد کاظم اپنے دوست کے رویے اور عادات واطوار کو نہایت خوب صورت انداز میں بیان کرتے ہیں۔ یہ خاکہ مسلسل تجسّس میں مبتلا کرتا ہے۔ محمد کاظم اپنے دوست سے وابستہ واقعات کو نہایت دلچسپ انداز میں شامل کرتے ہیں۔ خاکہ پڑھتے ہوئے کہیں محسوس نہیں ہوتا کہ محمد کاظم نے اپنی شخصیت کو حاوی کرنے کی کوشش کی ہے یا محض تعریف وتوصیف سے کام لیا ہے بلکہ یہ خاکہ جہاں واقعات کی دل کشی کا عکاس ہے وہیں دو دوستوں کے مابین ہونے والی بے تکلفی اور محبت کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ محمد کاظم کا اسلوب نہایت عمدہ ہے۔ وہ مختصر مگر مؤثر انداز میں جملے تحریر کرتے ہیں۔ مکالماتی انداز میں لفظوں کو اس طرح پیوست کر دیتے ہیں کہ قاری اس میں کھو جاتا ہے۔

"شاہ جلال پور" کے عنوان سے محمد کاظم نے سیّد علی عباس جلال پوری کا خاکہ لکھا ہے۔ سیّد علی عباس جلال پوری سے محمد کاظم کا غائبانہ تعارف اُردو رسالے 'ادبی دنیا' کی بدولت ہوا جہاں اُن کے علمی وادبی مضامین شائع ہوئے۔ احمد ندیم قاسمی نے ادبی رسالہ 'فنون' جاری کیا جس کے دفتر میں اکثر وبیشتر محمد کاظم کی علی عباس سے

ملاقات ہو جاتی ہے۔ وہ علی عباس کی شخصیت اور لباس میں ن نفاست کو بے پناہ سراہتے ہیں۔ ’فنون‘ کے دفتر میں مختلف ادیبوں اور شعراء کی محفلیں آباد ہونے لگیں۔ ان میں ہر طرح کے موضوعات زیر بحث لائے جاتے جب کہ دوسرے شماروں کے بارے میں بھی آراء دی جاتیں۔:

> ”انسان کے واقعی زندگی کے کرداروں کی طرح جنہیں ہم مشاہدے سے یا عرفانِ ذات کی بدولت جانتے ہیں، افسانوی کرداروں کو بھی نیکی و بدی کا مجموعہ ہونا چاہئے۔ مجسم معصومیت یا سراپا معصیت نہیں۔“[۱۰]

محمد کاظم، علی عباس کی شخصیت میں رواداری، لچک اور برداشت کی کمی دیکھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی بات پر مہر ثبت کر دیتے اور کسی دوسرے کی رائے ان کی نظر میں اہمیت کی حامل نہ ہوتی۔ محمد کاظم اس حوالے سے ایک واقعہ بیان کرتے ہیں کہ مشرقی پاکستان کے نظم گو شاعر صلاح الدین محمد ’فنون‘ کے دفتر آئے تو سیاسی موضوع پر بحث و مباحثہ شروع ہو گیا۔ علی عباس پنجاب کا بھرپور دفاع کرتے رہے جس پر صلاح الدین محمد نے کہا کہ شاہ صاحب آپ اہلِ علم ہونے کے باوجود متعصّب اور پست ذہنیت رکھتے ہیں۔ علی عباس جلال میں آگئے اور مہمان کو خوب کھری کھری سنائیں۔ ان کی معذرت کے باوجود شدید غصّے کا اظہار کرتے ہوئے دفتر سے چلے گئے۔ محمد کاظم ان کے مزاج کے حوالے سے رقم طراز ہیں۔:

> ”شاہ صاحب کی شخصیت اور مزاج میں ایک کمی محسوس ہوتی تھی اور وہ کمی تھی رواداری اور لچک کی اور مخالف کی بات برداشت کرنے کی۔۔۔۔ ایسی کمی جس کی توقع ایک سکالر سے نہیں کی جاتی۔ مجھے کئی موقوں پر یوں لگا کہ شاہ صاحب میں بعض چیزوں کے حق میں اور بعض چیزوں کے خلاف خاصا تعجب موجود ہے اور اس معاملے میں ان کا رویہ بالکل بے لچک ہے۔“[۱۱]

سیّد علی عباس کے ’فنون‘ میں شائع ہونے والے مضمون ”محمد خالد اختر کے اختلافات“ کے بارے میں محمد کاظم تذکرہ کرتے ہیں کہ علی عباس نے انتہائی تلخ آمیز لہجے میں خالد اختر کی زندگی پر طنز کیا جب کہ اس طرح کی توقع عام حالات میں قطعاً نہیں کی جاسکتی۔ علی عباس کی زندگی کے دو پہلوؤں سے محمد کاظم واقفیت دلاتے ہیں۔ ایک پہلو علم و دانش پر مبنی ہے جب کہ دوسرا پہلو تفریح اور مشاغل کے بارے میں ہے۔ علی عباس موسیقی سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ انھوں نے وائلن بجانے کے لیے ایک ماہر پنڈت سے تربیت بھی حاصل کی۔

”یادوں کے چراغ“ کے عنوان کے تحت ’فنون‘ میں انھوں نے اپنی موسیقی اور تخلیقی رجحانات کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔ علی عباس نے درس و تدریس کے علاوہ مختلف موضوعات پر طبع آزمائی کر کے علم و ادب کے فروغ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہیں۔

محمد خالد اختر کے شخصی خاکے میں محمد کاظم ان کے ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی میں واقع خوب صورت گھر اور خالد اختر کی حلیہ نگاری کو عمدگی سے بیان کرتے ہیں۔ اقتباس ملاحظہ کریں۔:

> ”ان دنوں اگر آپ کراچی کی ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کے کرشل ایونیو میں واقع ایک جدید طرز کے خوبصورت مکان پر جا کر گھنٹی بجائیں تو غالب امکان یہی ہے کہ اندر سے ایک صاحب گہرے رنگ کی ملگجی شلوار قمیض پہنے، پاؤں میں باٹا کا سلیپر گھسیٹتے ہوئے بر آمد ہوں گے، جن کا حلیہ اور سراپا آپ کے لیے جاذبِ توجہ ہو گا۔ اونچا نکلتا ہوا قد، سانولی رنگت، تیکھا ناک نقشہ اور سینک سلائی ایسے جیسے کسی نے ہڈیوں کے ڈھانچے پر چمڑا مڑھ دیا ہو۔ آنکھیں چھوٹی مگر بلا کی ذہین، آلڈس ہکسلے کی سی ستوں ناک، پیچھے ہٹتی ہوئی اونچی پیشانی اور سر پر چھدرے اور پریشان سے کھچڑی بال۔“[۱۲]

محمد کاظم اس دور کا ذکر کرتے ہیں جب خالد اختر بہاول پور میں اپنے قدیم آبائی گھر میں رہائش پذیر تھے۔ پرانی طرز کے حامل گھر میں وہ اکیلے رہتے تھے۔ محمد خالد اختر کا رہن سہن سادہ اور درویشانہ تھا جب کہ کراچی میں حالات یکسر مختلف تھے۔ عمر کے آخری حصے میں انھیں مختلف جسمانی عوارض لاحق تھے جن میں سانس کی نالی کا ورم اور پیشاب میں رکاوٹ شامل ہیں جب کہ کئی بار وہ مایوسی کا بھی شکار ہو جاتے جس کا اکثر و بیشتر خطوط کے ذریعے اظہار کیا جاتا ہے۔ محمد کاظم خالد اختر کی پہلی باقاعدہ ادبی کوشش ”کھویا ہوا اُفق“ کے متعلق بیان کرتے ہیں کہ جب یہ مجموعہ ’ادبِ لطیف‘ میں شائع ہونے کے لیے آیا تو سعادت حسن منٹو نے اس کا نہ صرف بغور مطالعہ کیا بلکہ بہت زیادہ کاٹ چھانٹ اور جملوں کی درستی کی گئی جس کی بناء پر یہ کتاب اپنی ضخامت میں آدھی رہ گئی۔:

"اگر آپ کے پاس دنیا کی کسی بھی زبان میں چھپی ہوئی "ہومر" پر کوئی کتاب ہو تو محمد خالد اختر کو ایک لمحے کے لئے دیجیے اور پھر اس چہرے پر مسکراہٹ کی ڈوبتی ابھرتی لہروں کا نظارہ کیجئے۔ نبض دیکھ کر مریض کے ذہنی اور جذباتی معاملات کو بہت دور تک سمجھ جانے کے قصے تو سنے تھے لیکن کسی کتاب کو محض ٹچ سسٹم کے ذریعے اپنے اندر اتارنے کا کمال ہم نے صرف محمد خالد اختر میں ہی دیکھا ہے۔"[۱۳]

محمد کاظم، خالد اختر کو منفرد اور روایتی ادیب قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے روایتی اسلوب کی بجائے انگریزی ادب کے رجحانات سے آشنا کیا۔ خالد اختر کی تحریروں میں انگریزی الفاظ کے استعمال کی بجائے سوچ اور جملوں کی ساخت مغربی طرز کی حامل قرار دی گئی۔ بلاشبہ خالد اختر نے اپنی نثر میں انفرادیت اور تازگی کو برقرار رکھا۔ انھوں نے سفر نامہ، ناول، افسانہ، طنزیہ و مزاحیہ کہانی، ترجمہ نگاری، مقالات، تبصرے اور محاکات (Imitation) میں خود کو منوایا جب کہ ان کا مقصد اپنی تشہیر ہر گز نہ تھا۔ محمد کاظم اپنے دوست کی بحیثیت ادیب اس طرح تعریف کرتے ہیں:۔

"وہ ایک ہشت پہلو ادیب ہے جس نے اردو ادب کی کم و بیش دس اصناف میں اپنے قلم کے جوہر دکھائے ہیں اور ان میں ایسے پائے کی تخلیقات پیش کی ہیں کہ ان میں سے بعض اصناف میں کوئی اس کے قریب بھی نہیں پہنچتا۔ سفری روداد یا سفر نامہ، ناول، افسانہ، طنزیہ و مزاحیہ کہانی یا مضمون، شخصی کہانی، پیروڈی، محاکات (imitation) مفصل تبصرہ، سنجیدہ مکالہ اور انگریزی سے ترجمہ! یہ اردو ادب کے وہ میدان ہیں جن میں اس کے اشہب قلم نے خوب خوب جولانیاں دکھائی ہیں اور فن کے نادر اور بے مثال نمونے پیش کیے ہیں۔"[۱۴]

اُردو ادب کے ادیبوں اور نقادوں نے خالد اختر کی صلاحیتوں سے ہمیشہ روگردانی کی۔ خالد اختر کے غیر مطبوعہ مواد کو اکٹھا کر کے شائع کیا جائے تو کئی مجموعے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ خالد اختر کے تخلیقی سرمائے کی اہمیت کو محمد کاظم اُجاگر کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوست کی بطور ادیب قدر و قیمت کا نہ صرف تعین کرتے ہیں بلکہ پُر ملال بھی ہیں کہ زمانہ اس کی صلاحیتوں کو ماننے سے انکاری ہے۔ اس کی وجہ محض حسد اور کم مائیگی ہو سکتی ہے۔ تاہم خالد اختر ایک ادبی سچائی ہیں جنھیں کسی صورت جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

احمد ندیم قاسمی کے خاکے میں محمد کاظم اُن کے ادبی زمانے کا تعین کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے چالیس برس علم و ادب کی آب یاری میں گزارے۔ 'فنون' کے دفتر میں مختلف طرح کے لوگوں سے میل جول کے وقت کئی موقعوں پر احمد ندیم قاسمی نوک جھونک اور دلچسپ گفتگو سے سب کو محظوظ کرتے۔ ایسے موقعوں پر کئی یادگار واقعات بھی رونما ہوتے تھے جنھیں محمد کاظم نے نہایت دلچسپ انداز میں بیان کیا ہے۔ مثال کے طور پر:۔

"ایک دن منٹو اچانک بولا کہ آؤ یار ذرا حفیظ صاحب کو چھیڑتے ہیں۔ پھر وہ بھری محفل میں (جس میں پطرس، حسرت اور فیض موجود تھے) حفیظ صاحب کے پاس گیا اور نہایت ادب سے بولا کہ جناب "شاہنامۂ اسلام" کے ایک شعر کے سلسلے میں آپ سے استفادہ کرنا ہے۔ بہت گہرا شعر ہے۔ آپ نے فلسفے کا کوئی عمیق نکتہ نظم فرمایا ہے۔ میں نے ہزار سر مارا، پڑھے لکھے دوستوں سے بھی مشورہ کیا مگر وہ مجھے مطمئن نہ کر سکے۔ حفیظ نے خوش ہو کر پوچھا: وہ کون سا شعر ہے؟ منٹو نے کہا وہ شعر یہ ہے:

یہ لڑکا جو کہ بیٹھا ہے، وہ لڑکی جو کہ بیٹھی ہے

یہ پیغمبر کا بیٹا ہے، وہ پیغمبر کی بیٹی ہے

یہ سنا تھا کہ محفل میں ایک قہقہہ بلند ہوا۔"[۱۵]

محمد کاظم اس طرح کے چند اور واقعات کے ذریعے 'فنون' میں ہونے والی ادبی سرگرمیوں کے دلچسپ ماحول کا تذکرہ کرتے ہیں جس سے قاری محظوظ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ۱۹۶۰ء کے آخر میں محمد کاظم اور احمد ندیم قاسمی ایک دوسرے کے گھروں میں بھی باقاعدہ آنے جانے لگے جب کہ ملازمت میں مصروفیت کی وجہ سے 'فنون' کے دفتر میں باقاعدہ جانے کی مہلت نہیں ملتی تھی تاہم ہفتے میں ایک دن لازمی طور پر شرکت کی جاتی۔ محمد کاظم ۱۹۷۰ء کے آخر میں مغربی جرمنی چلے گئے۔ ملاقات کا سلسلہ منقطع ہو گیا تاہم مکتوبات کا تبادلہ ہوتا رہا جس میں احمد ندیم قاسمی نے آٹھ سے زائد خطوط لکھے۔ محمد کاظم ان خطوط کے ذریعے احمد ندیم قاسمی کی علمی بصیرت، محمد کاظم سے لگاؤ، احساسِ ذمہ داری اور خلوص کے بارے میں اقتباسات کے ذریعے وضاحت فراہم کرتے ہیں جس سے احمد ندیم قاسمی کے والہانہ پن کا بھی احساس ہوتا ہے۔

"خاکہ نگاری کا ایک وصف یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اسے تفصیل کی بجائے اجمال کی آب و ہوا زیادہ راس آتی ہے۔"[۱۶]

یہی خوبی محمد کاظم کے ہاں بھی موجود ہے۔ وہ ایک برس کی دوری کو سفر نامے کی صورت میں قلم بند کرتے ہیں جو “مغربی جرمنی میں ایک برس” کے عنوان سے رسالہ ‘فنون’ میں شائع ہوتا رہا۔ احمد ندیم قاسمی کی موت کو محمد کاظم اُردو ادب میں بہت بڑے خلا کے مترادف قرار دیتے ہیں۔ انھوں نے اپنی پوری زندگی جدوجہد میں گزاری اور اُردو ادب کو بے پناہ ادبی ذخیرے سے نوازا۔ وہ احمد ندیم قاسمی کو اپنے لیے راہِ عمل قرار دیتے ہیں۔ ان کی بدولت اچھے لکھاری ایک پلیٹ فارم پر جمع تھے۔ انھوں نے نہ صرف مستند ادیبوں کے لیے نئی راہیں تلاش کیں بلکہ نئے لکھاریوں کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ ان کے مابین تعلق کا آغاز رسالہ “فنون” بنا۔ محمد کاظم کا شمار نئے لکھنے والوں میں تھا جب کہ محمد خالد اختر سے دوستی کی بدولت احمد ندیم قاسمی سے بھی قربت پیدا ہوئی۔ رسالہ “فنون” کا دفتر تبدیل ہوا اور اس میں کئی ادیبوں کی آمدورفت کا سلسلہ بڑھتا چلا گیا۔ احمد ندیم قاسمی روابط میں احساس ذمہ داری کا مظاہرہ کرتے تھے۔ محمد کاظم جب بیرونِ ملک تھے تو انھوں نے گھر کا نہ صرف خیال رکھا بلکہ خطوط کے ذریعے آگاہ بھی کرتے رہے، ۱۹۷۱ء کے ایک خط سے اقتباس ملاحظہ کریں:۔

> “آپ کے گھر میں خیریت ہے۔ بھابھی کو میں ناولیں پہنچاتا رہتا ہوں۔ ابھی چار پانچ روز پہلے میں بیوی کے ہمراہ گیا تھا وہ تو اپنے عزیزوں کے ہاں ماڈل ٹاؤن گئی ہوئی تھیں (مائی نے بتایا) مگر میں چند ناولیں مائی کے حوالے کر آیا تھا۔ ملک اسلم صاحب اور قتیل شفائی کی بیگموں کے ساتھ بھی ان کے مراسم ہیں، اس لیے امید ہے وہ اداس نہیں ہوں گی۔”[۱۷]

محمد کاظم کی کتاب “یاتیں اور یادیں” میں شامل اختر حسین جعفری کے خاکے میں “دل سے کب اُس کی یاد جاتی ہے” کے عنوان سے لکھا گیا ہے کہ اختر حسین جعفری بہترین شاعر کے ساتھ ساتھ بہت اچھے دوست بھی تھے۔ محمد کاظم نے چند ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے جو رسالہ ‘فنون’ کے دفتر میں ہوتی تھیں۔ اختر حسین جعفری نے مغربی شاعری اور مغربی نقادوں کو انتہائی دلچسپی سے پڑھا یہی وجہ تھی کہ انھیں مغربی شعری روایت پر عبور حاصل تھا۔ جعفری صاحب سے موجودہ دور کی غزل کے مقابلے میں نظم کو زیادہ اہم قرار دیتے ہوئے اس کی وجہ یوں پیش کرتے ہیں:۔

> “جدید نظم میں ہمارا سارا محاورہ Barrowed ہے جب کہ ہماری غزل جدید ہوتے ہوئے بھی کئی سطحوں پر کلاسیکی روایت سے اپنا رشتہ برقرار رکھتی ہے۔”[۱۸]

اختر حسین جعفری اس حوالے سے ظہور نظر اور مجید امجد کا حوالہ دیتے ہیں کہ یہ دونوں بہت اچھے شاعر تھے۔ انھوں نے نظم کے حوالے سے اپنے خیالات کو نہایت سائنٹیفک انداز میں بیان کیا۔ اختر حسین جعفری کی حساسیت کے حوالے سے محمد کاظم دو واقعات بیان کرتے ہیں۔ ایک ادیب اختر حسین جعفری کے متعلق لکھتا ہے کہ ان کی نظم خوب صورت ہوتی ہے تاہم وہ معانی و مفاہیم کی جہت متعین نہیں کرتے۔ اختر حسین جعفری پر اس حوالے سے شدید اثرات مرتب ہوئے جب کہ ایک اور واقعے میں علی عباس جلال پوری کی اہمیت اور قدر و قیمت کا تذکرہ کیا ہے جس کے جواب میں اختر حسین جعفری وقتی طور پر خاموش ہو گئے تاہم وہ اس پریشانی میں ساری رات نہ سو سکے:۔

> “اختر حسین جعفری اپنی شاعری کے بارے میں بے حد حساس تھا۔ ہمارے ہاں کے ایک معروف ادیب نے جب اس کے بارے میں یہ لکھا کہ جعفری کی نظم خوبصورت تو بہت ہوتی ہے لیکن وہ عموماً معانی اور مفاہیم کی کوئی جہت متعارف نہیں کرتی، تو جعفری پر اس کا شدید اثر ہوا۔”[۱۹]

اختر حسین جعفری نے اپنی شخصیت کے اظہار کے لیے “فردا” کے نام سے کتابی سلسلے کا آغاز کیا جس میں معیاری اور منتخب تخلیقات شامل کی جاتی تھیں لیکن اختر حسین جعفری کے اس شخصی خاکے میں محمد کاظم نے چند واقعات کو تو مد نظر رکھا تاہم حلیہ نگاری بیان نہیں کی گئی۔ یہ خاکہ اختر حسین جعفری کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی نہیں کرتا بلکہ اسے چند ملاقاتوں کا احوال قرار دیا جا سکتا ہے۔

محمد کاظم اپنے عمدہ الفاظ کے چناؤ اور تحریر میں پختگی کی بدولت اس خاکے کو دلچسپ انداز میں پیش کرتے ہیں۔ محمد کاظم جب خاکہ لکھتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ کوئی کہانی لکھ رہے ہیں کہ جس میں وہ اپنے دوستوں کی زندگی کے مختلف ادوار اور واقعات کو قلم کی زینت بناتے ہیں۔ ان کی تحریروں میں طنز و مزاح کا انداز انسانی فطرت کے تمام پوشیدہ گوشوں کو بے نقاب کرتا ہے۔ محمد کاظم نے اپنی تحریروں میں رومانوی انداز اپنایا ہے حتیٰ کہ اُن کا ہاں سنجیدہ باتوں میں بھی لطافت شامل ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں خوشگوار اور محبت بھرے انداز میں دوستوں کی زندگی اور ان کے ساتھ روابط کی نوعیت بیان کرتے ہیں۔

بلاشبہ محمد کاظم کے خاکے اُردو ادب کے لیے بیش بہا خزانہ قرار دیے جا سکتے ہیں۔ انھوں نے محض چند خاکوں پر اکتفا کیا اور اس میدان میں زیادہ طبع آزمائی نہیں کی۔ محمد کاظم کا اسلوب نہایت عمدہ اور دلچسپ ہے۔ وہ ایک خاص ترتیب سے خاکہ تحریر کرتے ہیں۔ جملوں کو چست اور دل کش انداز میں بیان کرنے سے قاری کی

دلچسپی شروع سے آخر تک برقرار رہتی ہے۔ محمد کاظم خاکہ نگاری میں مہارت رکھتے ہیں۔ وہ نہایت آسان فہم اور سادہ جملوں کے ذریعے نہایت عمدہ صورتِ حال بیان کرتے ہیں۔ یقیناً یہ خاکے نہایت دل کش اور جاذبیت سے بھرپور ہیں۔ قاری ان خاکوں کے مطالعے سے محظوظ ہوئے بناء نہیں رہ سکتا۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالاعجاز فاروقی، خاکہ نگاری فن و تنقید (لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص:۹

۲۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر، خاکہ نگاری فن و تنقید (لاہور: نذیر سنز پبلی کیشنز، ۱۹۹۳ء)، ص:۱۰

۳۔ سلیم اختر، ڈاکٹر، اُردو ادب کی مختصر ترین تاریخ (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء)، ص:۲۲۹

۴۔ محمد طفیل، خاکہ نگاری فن و تنقید، (نذیر سنز پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۳ء)، ص:۱۲

۵۔ نثار احمد فاروقی، ڈاکٹر، نقوش۔ شخصیات نمبر، (لاہور: شمارہ مئی ۱۹۵۹ء)، ص:۷۵

۶۔ صدیق جاوید، ڈاکٹر، محمد طفیل، (لاہور: نقوش، س۔ن) ص:۴۳۳

۷۔ محمد کاظم، یادیں اور باتیں، (لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء)، ص:۱۱

۸۔ ایضاً، ص:۱۷

۹۔ ایضاً، ص:۱۹

۱۰۔ اشفاق احمد، محمد خالد اختر، (لاہور: فنون، مئی، جون ۱۹۸۵ء)، ص:۵۰۷

۱۱۔ محمد کاظم، یادیں اور باتیں، ص:۳۰

۱۲۔ ایضاً، ص:۳۷

۱۳۔ اشفاق احمد، محمد خالد اختر، (لاہور: فنون، مئی، جون ۱۹۸۵ء)، ص:۵۰۷

۱۴۔ محمد کاظم، یادیں اور باتیں، ص:۴۶

۱۵۔ ایضاً، ص:۵۳

۱۶۔ اشفاق احمد ورک، ڈاکٹر، پاکستان پہلا خاکہ نگار، (اسلام آباد: مشمولہ، اخبارِ اُردو، مقتدرہ قومی زبان، ۲۰۱۰ء)، ص:۲

۱۷۔ محمد کاظم، یادیں اور باتیں، ص:۵۷

۱۸۔ ایضاً، ص:۶۵

۱۹۔ ایضاً، ص:۶۵